مکالمہ بین المذاہب کا تجزیاتی مطالعہ

Interfaith Dialogue an Analytical Study

ڈاکٹر محمد ناصر*

ڈاکٹر سید نعیم بادشاہ بخاری**

ABSTRACT

Continues Scientific development made the world a global village , which brought different religions & civilizations closer to each other. This resulted in clash of civilization and differences among the followers of different religions. Sometimes these differences grow to the intensity which bring different followers in direct tussle and confrontation. So to bridge or minimize this gap some modern Muslim scholars have made efforts by using different slogans for this purpose, i.e. interfaith harmony, interfaith dialogue, unity of religions etc. and hold seminars , workshops and conferences almost all over the world. These efforts created queries in the minds of different peoples, whether difference of opinions is unlawful? Can we give up religious obligations for bringing all the people under the banner of this unity. The given article critically discusses the aims and motives behind these efforts; and draw a line of demarcation in Islamic perspective for creating harmony among the people of different religions and civilizations.

Keywords: *Interfaith, Dialogue, Usool e Deen, Harmony.*

---

* لیکچرر، اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

** چیئرمین، شعبہ اسلامیات، زرعی یونیورسٹی پشاور

تمہید

سائنس کی روز افزوں ترقی نے دنیا کے فاصلوں کو سمیٹ کر ایک کنبہ بنادیا ہے۔ اس قدر قرب نے جہاں انسانوں کو ایک دوسرے کی تہذیب وتمدّن کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا وہیں مذہبی روشناسی میں بھی مدد دی مختلف تہذیبوں اور ان کے پیروکاروں کے باہمی ملاپ سے مثبت اور منفی رجحانات کا پیش آنا بدیہی ہے۔ منفی پہلو پر سخت رد عمل کا آنا طبعی امر ہے جو کبھی کبھار تصادم کی صورت اختیار کرلیتا ہے جو امن کو سبوتاژ کر دیتا ہے۔ شائد ہی کوئی ذی شعور انسان اس حقیقت سے انکاری ہو کہ اس وقت پاکستان سمیت پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہے۔ تہذیبوں میں اختلافات کی شدت کو کم کرنے اور انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے دور حاضر کے بعض جدید مسلمان مفکرین نے اپنے تئیں اس کا حل ''بین المذاہب ہم آہنگی ''کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جس کے لیے تفاہم یا تقارب ادیان اور انٹر فیتھ کی اصطلاحات استعمال کی گئیں۔ آج سے کچھ عرصہ قبل اس کے لیے ''وحدت ادیان ''کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی تھی۔ اس ہدف کے حصول کے لیے ملکی ہی نہیں عالمی سطح پر نجی و سرکاری جامعات کے علاوہ سرکاری مقامات پر کانفرنسوں ، سیمینار، ورکشاپ، اجتماعات، اور مکالموں کا انعقاد کیا جاتا ہے جن میں مختلف مکاتب فکر کے مقررین اپنا نکتہ نظر پیش کرتے ہیں۔ اور وحدت امت کی اہمیت اجاگر کرتے ہیں جو ان کا شعار ہے۔ اور اختلاف کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ایک دوسرے سے اظہار یکجہتی کی خاطر ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو جانا باجماعت نمازیں ادا کرنا، مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا روز کا معمول بن چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک دوسرے سے محبت کے اظہار کا موقع ضائع نہیں کیا جاتا۔ جس کا مقصد دنیا کو یہ باور کرانے کی لاحاصل کوشش کرنا ہے کہ امت وحدت کی لڑی میں پروئی جارہی ہے۔ اگرچہ وحدت امّت کا یہ نعرہ بظاہر جاذب اور دلکش ہے مگر نتیجتاً انتہائی پرفریب اور سادہ لوح مسلمان کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ جس سے عام آدمی کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات ابھرنا شروع ہوتے ہیں کہ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آیا اختلاف مطلقا مذموم ہے؟ امّت کی وحدت کی خاطر ادیان کے اختلاف کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ اور جذبہ خیر سگالی کے تحت ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا جائز ہے؟ اس کے جواز کے لیے پیش کیے جانے والے دلائل کی تشریح حقیقتاً بھی اسی طرح ہے جس طرح بیان کی جاتی ہے؟ زیر نظر مضمون میں انہی سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے راقم الحروف اس میں کس حد تک کامیاب رہا یہ فیصلہ قارئین کے ذمہّ ہے

- لفظ **مکالمہ** باب ''مفاعلہ'' کا مصدر ہے جس میں دو یا اس سے زیادہ افراد کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہی اس باب کی خاصیت ہے۔ گفت و شنید کے ذریعے حقیقت تک رسائی قدیمی روایت ہے جو مکالمے کی اصل روح ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہر دور میں مذہبی، معاشرتی، علاقائی، ملکی، اور عالمی مسائل کے پر امن تصفیے کے لیے بیٹھکوں کا اہتمام کیا جاتا اور دلیل سے ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کیا جاتا۔ 11/9 کے واقعے کے بعد امریکہ نے بغیر سوچے سمجھے اس کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا اور پھر طاقت کے نشے میں دھت بدمست ہاتھی کی طرح مسلم ممالک پر پوری قوت سے حملہ آور ہوا جس کی بازگشت پوری دنیا میں سنائی دی جانے لگی جس میں اسے حوارئین کی آشیر باد حاصل رہی۔ جسے مسلم دنیا میں شدید نفرت سے دیکھا گیا اور اس جارحیت کے سدباب کے لیے مسلح جدوجہد کا آغاز شروع کر دیا۔ جب دنیا پر اس کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے اور امن وامان کی صورت حال روز بروز بگڑنے لگی تو امن کی بحالی اور نفرت کے لاوے کو کم کرنے کے لیے شدت سے باہمی مکالموں کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اس پیغام کو عام کرنے کے لیے کر ملک کے طول و عرض میں ملکی اور عالمی سطح پر نجی اور سرکاری فلاحی تنظیمیں اس میں پیش پیش رہیں جنہیں مغربی اداروں کی ہر طرح کی معاونت حاصل رہی۔ انہی کے دباؤ سے مقنّنہ سے قانون سازی کراوائی گئی۔ جامعات میں مضامین مختص کیے گئے۔ نصاب کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ دیگر مطالبات کیے گئے۔ اس وقت جامعات میں انسٹیٹیوٹ آف پیس کے زیر سرپرستی ''پیس ایجوکیشن'' کے نام سے ادارے قائم کیے گئے ہیں جن کا ہدف ایسے افراد کی تربیت ہے جو مستقبل قریب میں اس پیغام کو مؤثر بنانے میں بھرپور کردار ادا کریں۔

تاریخی پس منظر:

تاریخ کا طالب علم اس سے بخوبی آگاہ ہے کہ حقائق تک رسائی اور افہام و تفہیم کے لیے گفت و شنید قدیم روایت ہے۔ جسے الہامی مذاہب میں نہ صرف جاری رکھا گیا بلکہ اس کے لیے انبیاء کا ایک طویل سلسلہ بھی شروع کیا جس کا اختتام نبی کریم ﷺ کی عالمگیر نبوّت پر ہو جاتا ہے۔ ہر نبی نے اپنے دور میں امّت کو سمجھانے کے لیے یہ تسلسل جاری رکھا حضرت ابرہیمؑ اور انکی قوم [1] حضرت موسیٰؑ اور فرعون [2] اور جناب رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین بھی ہوئے لیکن عام مسلمانوں سے اس کا آغاز حبشہ کی ہجرت سے ہوا۔ جس میں حبشہ کے

۱۔ القرآن: سورۃ الانبیاء، ۵۲

۲۔ القرآن: سورہ طٰہٰ ، ۴۲

حاکم نجاشی اور آپؐ کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے مابین مکالمہ ہوا[1] آج کل کے مکالموں کو بھی اسی کا تسلسل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ان دونوں میں دور کی بھی کوئی مناسبت نہیں پائی جارہی۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات میں وہ مکالمہ مشروع ہے جس سے حقیقیت تک رسائی ممکن ہو۔جب کہ آج کل کے مکالموں میں مفاہمت کا عنصر غالب رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان مکالموں میں زیادہ تر وقت مشترکات کی تلاش کی نظر ہو جاتا ہے۔ تاریخ کا طالب اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہے کہ یہود و نصاریٰ حسد اور کینے کی وجہ سے اسلام کش پالیسیوں میں پیش پیش رہے۔ ہر بار کوشش کے باوجود جب طاقت اور اسلحے سے غلبہ پانے سے مایوس ہوئے تو مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے ۔ جو وقتاً فوقتاً بے نقاب ہوتی رہیں۔ انہی میں سے ایک لوئس نہم کی وصیّت ہے۔ جو انہوں نے تیونس میں مسلمانوں کے خلاف پے در پے جنگوں میں ناکامیوں کے بعد کی تھی جو انیسویں صدی کے نصف اوّل تک پردہ خفا میں رہی ۔سب سے پہلے اس کا ذکر فرانسیسی مؤرخ "جانویل" نے اور ان کے بعد "ابن امین فارس" نے "الابحاث" نامی رسالے میں کیا ہے۔ اور آج کل یہ مختلف ویب سائیٹس پر تفصیل سے موجود ہے۔ جس میں اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ: مسلمانوں کے اپنے دین سے مضبوط تعلق اور جذبہ جہاد کی وجہ سے طاقت کے ساتھ غلبہ پانا تقریباً ناممکن ہے ان پر غلبہ پانے کے لیے ایسی حکمت عملی تشکیل دینے کی ضرورت ہے کہ جس سے ان میں باہمی منافرت، انتشار، الحاد، بے دینی، اور بے حیائی کو فروغ دیا جاسکے اور دین سے بے زار کر کے ان سے جذبہ جہاد ختم کیا جائے۔[2] اور اس کام کے لیے ان ہی میں سے افراد تیار کیے جائیں۔ چنانچہ لوئس کی وصیّت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلمانوں پر معاشرتی اور فکری یلغار شروع کر دی گئی ۔ جس سے متاثر ہو کر کوئی جدّت پسند کہلایا تو کوئی مستشرق، کوئی الحاد کی وادیوں میں سرگرداں ہوا تو کوئی آزاد خیالی کی نظر ہوا جنھیں ہم کسی نہ کسی روپ میں وطن عزیز پاکستان کے طول و عرض میں نہ صرف پھلتا پھولتا دیکھ رہے ہیں بلکہ ان کا شمار معاشرے کے بااثر طبقے میں ہوتا ہے۔ دنیا میں اس حوالے سے اُنیسویں صدی کے آخر میں کام شروع ہوا جس کی بنیاد شگاگو کانفرنس ہے جو ۱۱ستمبر ۱۸۹۳کو منعقد ہوئی جو اس عنوان پر سنگ میل کی حیثت رکھتی ہے۔ اس میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ۱۵۰ کے قریب چوٹی کے مذہبی پیشواؤں نے شرکت کی جس میں وحدت امّت کے حوالے سے غور خوض کیا گیا۔ اسی سوچ کو پروان

۱۔ الحمیری عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویہ، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، طبعہ ثانیہ، ۱۹۵۵، ج 1، ص ۳۳۵

۲۔ ماہنامہ مکالمہ بین المذاہب، اپریل ۲۰۰۸، مرکز تحقیق اسلامی جامع مسجد خضراء سمن آباد لاہور، عیسائی مشنریاں، وثیق ندوی

چڑہانے کے لیے ۱۹۸۶ میں ۱۲ تا ۱۵ فروری قرطبہ میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی اس کا نام "المو تمر الابراہیمی" تجویز کیا اور "موتمر الحوار الدولیہ لوحدة الابراہیمیۃ" کے عنوان پر مکالمے پیش کیے گئے۔ اسی اجلاس میں "معہد قرطبہ لوحدۃ الادیان فی اروبا، المرکز الثقافی الاسلامی اور مرکز قرطبہ للابحاث الاسلامیہ" کے نام سے اداروں کی منظوری دی گئی جس کا منتظم روجید جارودنامی عیسائی مقرر ہوا۔ اور ۳ مارچ ۱۹۸۷ کو مزید تین تنظیمیں نادی الشباب، الئومنون متحدون، اور الناس متحدون، تشکیل دی گئیں۔[۱] ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ کو جاپان کے "کیٹو" پہاڑی کی چوٹی پر تمام مذاہب کے پیروکاروں نے پوپ کی امامت میں نماز ادا کی جسے روح القدس کا نام دیا گیا[۲]۔ لیکن 9/11 کے واقعے کے بعد اس میں مزید تیزی دیکھنے میں آئی۔ چنانچہ سینٹ جان دی ڈیوا ین کیتھڈرل کے پادری "جیمز پارکس" نے دیگر مذاہب کے ساتھ رابطے کے لیے "انٹر فیتھ سنٹر" کے نام سے ایک ادارہ تشکیل دیا اور مختلف مذاہب کے لوگوں سے اس عنوان سے رابطے شروع کیے اور مسلمانوں کو بھی اس میں شریک کیا۔ چنانچہ اس سنٹر کے زیر اہتمام انٹر فیتھ مکالمے منعقد ہوتے رہے۔ عیسائی دنیا میں ۲۰۰۷ کو اس حوالے سے خاصی اہمیت حاصل ہے۔ جس میں انہوں نے ایک تحریری معاہدے کے ذریعے اس میں شرکت کی حامی بھری۔ ۲۰۰۹ میں آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں "پارلیمنٹ آف دی ریلیجینس" کے اجلاس میں ایک ایسا مشترکہ نیٹ ورک بنانے کا منصوبہ زیر غور آیا جو ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں مذہبی رسومات ادا کریں۔ اور امریکہ ہی میں قائم "ٹایم سنٹر آف ڈائیلاگ" جو لاٹوری یونیورسٹی کے تحت کام کر رہا ہے کی سفارشات میں حکومتی اداروں اور ذیلی تنظیموں کی ایسے اجتماعات عوامی جگہوں میں منعقد کرنے کی ذمہ داری لگائی گئی۔[۳] جس کی متعدد مثالیں دیکھنے کو ملیں اور عین ممکن ہے کہ ایک معروف عالم دین کا امام بارگاہ میں نماز میں امامت کرانا اسی تسلسل کا نتیجہ ہو۔ اور جاپان میں پوپ کی زیر قیادت ایک ایسی دعائیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں مختلف مذاہب سے وابستہ لوگوں نے شرکت کی[۴] اس سے کم از کم دو باتیں روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہیں:

۱۔ بکر بن عبد اللہ أبو زید بن محمد بن عبد اللہ، الابطال لنظریۃ الخلط بین دین الاسلام وغیرہ من الادیان، دار العاصمہ، طبعہ اولی، ۱۴۱۷، ص ۲۲

۲۔ فیضی مقصود الحسن، اہل کفر کے ساتھ تعلقات وفاداری یا بیزاری اور اسلامی تعلیمات، نور اسلام اکیڈمی لاہور، ص ۲۰

۳۔ https://jang.comp.pk 11-oct-2011

۴۔ سہ ماہی امنگ اپریل تا جون (اداریہ) یہ رسالہ ایشیا میں مکالمہ بین المذاہب کی خبروں کا محرّک ہے

پہلی یہ کہ یہ عالمی استعماری ایجنڈا ہے جو مسلم امہ پر جبری مسلّط کیا جارہا ہے۔ جس کی تصدیق امریکہ کی محکمہ خارجہ کی جانب سے " انسانی حقوق اور جمہوریت کے لیے امریکہ کی حکمت عملی" برائے ۲۰۰۵-۶ کے عنوان سے شائع ہونے والی رپورٹ سے ہورہا ہے۔ جس میں امریکی دفتر خارجہ کی طرف سے کیے گئے مطالبات (اقلیتوں کے حقوق، نصاب کی تبدیلی، ختم نبوّت کے قانون میں ترمیم، شدت پسندی کا خاتمہ، مذہبی آزادی)پورے کرنے کا حکومت پاکستان سے پر زور مطالبہ کیا گیا ہے[۱]۔اس کے بعد uscrif جو بین الاقوامی مذہبی آزادی کا کمیشن ہے کی ۲۰۱۵-۱۶ کی وہ رپورٹ جو"پیس ایجوکیشن" کے اشتراک سے تیار کی گئی تھی میں بھی من وعن[۲] اور ۲۰۱۹ کی رپورٹ[۳] میں سہ بارہ سے تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ انہی مطالبات کو بڑی شدّت سے دہرایا گیا ہے۔ اور" کیری لوگر "بل سے ملنے والی امداد کو بھی ان مطالبات کے پورا کرنے سے منسلک کر دیا ہے۔اس امر کی تصدیق معروف عالم دین وچیئرمین رویت ہلال کمیٹی جناب مفتی منیب الرحمٰن کے روزنامہ جسارت کے لیے تحریر کیے گئے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے چیف آف آرمی سٹاف اور وزیر اعظم سے اپنے وفد سے ہونے والی ملاقات کی روداد بیان کی ہیں میں ریاست کی اس مجبوری کا کھلے لفظوں اعتراف بھی کیا ہے[۴]۔

دوسری یہ کہ بیرونی طاقتیں اس کام میں حصہ لینے والی تنظیموں کی مالی امداد کے ساتھ ساتھ ہر طرح کا تعاون جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۰۰۵ میں انسانی حقوق اور جمہوریت کے تحفظ کے لیے امریکی صدر بش نے ایک ارب چالیس کروڑ ڈالر مختص کیے۔عاقل ندیم صاحب (جو سابق سفارتکار بھی ہیں)کی لکھی ہوئی تحریر کے مطابق ۲۰۱۳ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت خیز مواد پھیلانے کے لیے امریکی حکومت کی جانب ۲۰۵ ملین ڈالر کی خطیر رقم عطیہ کی۔اور اس کام کے لیے تعلیمی اداروں کے لکھاری اساتذہ کا انتخاب کیا۔ موصوف کے مطابق ۲۰۱۰ میں ایسے اداروں کی تعداد پانچ تھی جب کہ ۲۰۱۸ میں ۱۱۴ تک پہنچ چکی ہے۔[۵] جب کہ پاکستان میں انتہا پسندی اور فرقہ واریّت کے خلاف متفقہ بیانیہ تیار

۱۔www.uscirf.gov

۲۔www.uscirf.gov

۳۔www.uscirf.gov

۴۔https://www.jasarat.com,04-22-2019

۵۔www.independent.urdu.com24-12-2019

کرانے کے لیے پاکستان علماکونسل ،وعلم و امن فاؤنڈیشن کے چیئرمین جناب علامہ طاہر محمود اشرفی کی مالی معاونت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تفصیلات کے مطابق ۹مارچ ۲۰۱٦ کوچار فریق (امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، انٹرنیشنل سنٹر فارریلیجن اینڈ ڈپلومیسی، پیس ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اور علم وامن فاؤنڈیشن) کے درمیان چار کروڑ روپے مالیت کا معاہدہ طے پایاپیس ایجوکیشن نے تو اپنی ذمہ داری نمٹادی لیکن طاہر اشرفی اور علامہ زاہد محمود قاسمی اختلافات کی وجہ سے اپنے حصے کاکام نہ کرسکے۔یہ بات اس قدر مشہور ہوئی کہ ایف آئی اے کواس کی تحقیقات کرنی پڑیں (روزنامہ امت ۲٦دسمبر ۲۰۱۸)تفصیلات کے مطابق موصوف کو اس کام کے عوض جو رقم دی گئی اس میں امریکی این جی او آئی سی آرڈی کی جانب سے ۹۰ہزار ڈالر،اور جرمن سفارتخانے سے ۴۳لاکھ ۴۴ہزار روپے شامل ہیں۔جو علامہ موصوف کونارویجن چرچ اور جرمن سفارتخانے کی وساطت سے ادا کیے گئے۔

یہاں یہ سوال خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ وطن عزیز پاکستان کو اس حد تک لانے میں کس کا کردار ہے؟ تاریخی پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۰ کی دہائی تک جب پاکستان میں NGOsکاوجود نہیں تھا تمام تر مسلکی و مذہبی اختلافات کے باوجود پاکستان کو اقلیّتوں کے لیے ہر طرح سے محفوظ ملک تصوّر کیا جاتا رہا۔ لیکن1986 میں جب تاریخ کی متنازع ترین فلاحی تنظیم ''ہیومن رائیٹس کمیشن آف پاکستان''کا اندراج سوسائٹی ایکٹ کے تحت آئی اے رحمان اور عاصمہ جہانگیر کی زیر نگرانی ہوا۔جو امریکہ سمیت مغربی ممالک کے معاونین کو ایسی دستاویز ارسال کرتے رہے[۱] جن میں پاکستان کو اقلیّتوں کے لیے غیر محفوظ ملک ہونے کا تاثر دیا جاتا رہاجس سے ان ممالک میں پاکستان کے بارے میں تشویش بڑھنے لگی۔ نتیجتاً ان ممالک کی جانب سے مطالبات میں شدّت آنے لگی جو پاکستان کے لیے مشکلات کا باعث بنیں ۔اور''نوکی سوزوکی ''کی تصریح کے مطابقNGOsکے لیے سالانہ رپورٹ اور منفی پراپیگنڈہ اپنی کارکردگی اور مالی امداد بحال رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں کیونکہ ان کے معاونین اہلیت ثابت کرنے پر ہی فراخدلی سے تعاون جاری رکھ سکتے ہیں[۲]۔ کمزور معیشت اورامریکہ اور اس کے حواریوں کے مسلسل دباؤنے جب حکومت کے چاروں شانے چت کردیے۔تو سب سے پہلے دہشت گردی کا تعلق مذہب سے جوڑکر'' نیشنل ایکشن پلان ''تشکیل دیا گیا۔اور پھر شدّت میں کمی لانے کے لیے مذہبی امور کی وزارت کے ساتھ ''بین المذاہب ہم آہنگی ''کالاحقہ لگاکر ملک میں مذاہب کے

۱۔ https//m.facebock.com.sajjad ahmd kazmi/02-06-2019

۲۔ ماہنامہ دختران اسلام جون2008حقوق نسواں اور این جی اوز کا کردار،عافیہ سجاد

مابین مکالموں کا جال بچھانے کا سلسلہ شروع کیا۔ مقررین ان مکالموں میں اختلاف کی شدید مذمّت کرتے ہیں اور سامعین کو اتحاد و یکجہتی کا درس دیتے ہیں۔ اگر ان مکالموں کی غرض اتحاد ہو تو سوال یہ ہے کہ کیا اختلاف مطلقاً مذموم ہے؟ ذیل میں اس گتھی کو سلجھانے کے لیے اختلاف کی اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اختلاف کی اقسام اور ان کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ امّت کی کامیابی کا راز وحدت ہی ہے۔ جب کہ تفرقہ بازی سے قوّت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ''[۱] اور آپ ﷺ نے امّت میں پھوٹ ڈالنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے اس کی تعبیر کچھ اس انداز سے کی ہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا قرآن کریم کے جن نصوص میں وحدت کا حکم دیا گیا ہے وہ اپنے عموم پر ہیں ؟۔ اور ہر اختلاف کرنے والا ان وعیدات کا مستحق ہو گا؟ اگر اس کا جواب نہیں ہے تو پھر یہ حقیقت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں وحدت امت کا عمومی پیغام چند وجوہ سے جائز نہیں۔

پہلی وجہ: نصوص میں وحدت کا حکم خاص ہے جو مسلمانوں کے باہمی اتحاد تک محدود ہے جس کی تائید اللہ تبارک وتعالیٰ کے خطاب: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ''[۲] میں لفظ ''آمَنُوا'' سے ہو رہی ہے: **دوسری:** وحدت کا عمومی حکم منشأ خداوندی کے بھی خلاف ہے جیسا کہ ارشاد باری: ''وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً''[۳] ہے اور ''لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ''[۴] کے اصول کے تحت اختلاف کو روا رکھا گیا ہے۔ اور **تیسری:** جن نصوص میں اختلاف کی مذمت آئی ہے مفسرین نے انہیں عموم پے محمول نہیں کیا بلکہ اختلاف کی انواع بیان کر کے ہر ایک کا الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔ مشہور قول کے مطابق اختلاف کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ القرآن: سورۃ التوبہ، آیت ۴۶

۲۔ القرآن: سورۃ آل عمران آیت، ۱۰۲

۳۔ القرآن: سورۃ ہود آیت ۱۱۸

۴۔ القرآن: سورۃ المایدۃ آیت ۴۸

اختلاف تنوع: سے مراد وہ اختلاف ہے جس میں دونوں قول درست ہوں اس کی دو صورتیں ہیں:

تعبیر میں اختلاف لیکن مصداق ایک ہو: مثلاً صراط مستقیم کی تفسیر قرآن یا اسلام سے کرنا اس لیے ٹھیک ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہے کہ اسلام نام ہی قرآن کی اتباع کا ہے۔ **یا ایسا قولی و فعلی اختلاف جس میں جانبین صحیح ہوں اور وہ طریقہ رائج بھی ہو:** مثال کے طور پر اذان کے کلمات، سجدہ سہو کا محل اور قرآت کا اختلاف عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ''كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ، وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا[۱]. اس حدیث کے ذیل میں علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں: کہ حدیث کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن اس سے مراد ہر وہ اختلاف ہے جس کے جواز پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل موجود ہو یا وہ اختلاف جو ائمہ مجتہدین کے مابین پایا جاتا ہو[۲] جب کہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ: اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو '' المؤدی إلى الهلاك بالفرقة فى الدين''[۳] اس کی بنیاد اولیٰ اور عدم اولیٰ ہونے پر ہے اختلاف کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ: جب تک دوسرے کی مذمت نہ کی جائے تو یہ رحمت بھی ہے اور وسعت کا سبب بھی۔ البتہ اسے انتشار کا باعث بنانا باعث مذمت ہے[۴] نصوص میں حسد، بغض اور کینے کی جو ممانعت ذکر کی گئی ہے وہ اسی نوع سے متعلق ہے[۵] ان کی تعبیر فروعی اختلاف سے بھی کی جاتی ہے۔

اختلاف تضاد: سے مراد وہ اختلاف ہے کہ جس میں عقائد یا احکام سے متعلقہ آراء میں اختلاف پایا جاتا ہو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

وہ آراء کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں مثلاً قرات خلف الامام، وضو میں ترتیب کا سنت یا وجوب کا حکم لگانا وغیرہ۔ **یا کتاب وسنت، اجماع اور قیاس میں سے کسی کے مخالف ہونے کی وجہ سے مذموم ہوں** مثال کے طور پر سماع کا قائل ہونا، عموم بلویٰ کی وجہ سے داڑھی منڈانے کا فتویٰ دینا، ولی کے بغیر نکاح کے جواز کا قائل ہونا

۱۔ البخاري، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، دار طوق النجاة، طبعہ اولی، حدیث ۳۴۷۶

۲۔ حمزة محمد قاسم، منار القاري، مكتبہ دار البيان، دمشق، ۱۹۹۰، ج ۳ ص ۳۵۳

۳۔ ابن بطال أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك، شرح صحيح البخاری لابن بطال، مكتبة الرشد السعودیہ، طبعہ ثانیہ، ۲۰۰۳، ج ۱۰ ص ۲۸۴

۴۔ الاذرعي صدر الدين محمد بن علاء الدين عليّ بن محمد ابن أبي العز، شرح العقيدة الطحاوية، وزارة الشؤون الاسلامية، طبعة اولی، ۱۴۱۸، ص ۵۳۰

۵۔ النجدي، سليمان بن سحمان بن مصلح بن حمدان، كشف غياهب الظلام عن أوهام جلاء الأوهام، أضواء السلف، طبعة اولی، ص ۱۶۳

،وغیرہ یہ نصوص کے خلاف ہیں۔فروع کا یہ اختلاف اگر تاویل کی وجہ سے ہو اور تاویل کسی متواتر نص یا صحیح اجماع کے مخالف یا فاسد نہ ہو۔تو اس کے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔اور اس کا حکم مسلمان کے حکم کی طرح ہو گا۔اور اصولی (عقیدہ) اختلاف میں قاعدہ یہ ہے کہ حق ایک ہی ہو گا اور باطل کے ضمن میں صحت کی جو علامات پائی جاتی ہوں انہیں باطل کے ساتھ تعلق کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا اور ایسا شخص کافر ہو گا[1] اس سے معلوم ہوا کہ وحدت امّت کی فکر میں مگن ہو کر اختلاف اور اس کی نوعیّت کے فاصلوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ''هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ''[2] کا قائل ہونا انصاف پسندی نہیں۔

مکالمہ بین المذاہب کا مقصد:

- اس طرح کے مکالموں کے مختلف اغراض بیان کیے جاتے ہیں۔پہلا یہ کہ ان مکالمات میں مشترکات پر غور وخوض کیا جاتا ہے۔تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ پہلے پہل یہ سوچ حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے ذہن میں آئی اور مسلمان ہونے کے باوجود تورات کے بعض احکامات مثلاً ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو اس وجہ سے ممنوع سمجھتے اسلام میں ان کا استعمال اگرچہ مباح ہے لیکن تورات میں ان کا ترک واجب ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے: ''ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ''[3] کا حکم نازل ہوا کہ اللہ کی پسند کردہ شریعت اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور منسوخ شریعت کو ترک کر دو اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا یہ عمل جذبہ خیر سگالی پر مبنی تھا جس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔بہرکیف اس کے جواز کے لیے ''تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ''[4] کا سہارا لیا جاتا ہے۔جو اس موضوع پر سب سے مضبوط دلیل گردانی جاتی ہے۔یہ آیت وفد نجران کے بارے نازل ہوئی ہو، یا یہود مدینہ کے، یا دونوں کے بارے میں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن دو چیزیں اس میں خصوصیّت سے ذکر کی گئیں ہیں **ایک:** دعوت کا بلیغ اسلوب دلائل کو مربوط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے قائل تھے تو سب سے پہلے ان کے احوال کو اس انداز سے بیان کیا کہ الوہیت کی نفی ہو جائے۔اس

۱۔ الجلعود، محماس بن عبد اللہ بن محمد، الموالاۃ والمعاداۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، دار الیقین للنشر والتوزیع، طبعۃ اولیٰ، ۱۹۸۷، ص ۳۷۱

۲۔ القرآن: سورۃ الحج، آیت ۷۸

۳۔ القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸

۴۔ القرآن: سورۃ آل عمران، آیت ۶۴

کے بعد ان کے شبہات کو دفع کیاہٹ دھرمی دکھانے پر مباہلے کا چیلنج دیدیا جب خوف سے ان کے دل نرم ہوئے تو رغبت دلانے کے لیے اتفاقی چیزوں کی طرف دعوت دی اور نا امید ہو جانے کے بعد اعراض کا حکم دے دیا۔[1]

دوسرا مشترکات: چنانچہ صاحب منار فرماتے ہیں کہ: اہل نجران جب مباہلے سے انکاری ہوئے تو انہیں ایسی مشترک چیز کی طرف دعوت دی گئی جو: هُوَ أَصْلُ الدِّينِ وَرُوحُهُ الَّذِي اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ دَعْوَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَهُوَ سَوَاءٌ بَيْنَ الْفَرِيقَيْنِ[2] جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض چیزیں مذاہب میں مشترک ہیں۔ جن کی تعداد دو ہے:

اصول دین: یعنی توحید، رسالت، آخرت، اور اللہ کی اطاعت جنہیں عقائد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی معرفت عقل یا فطرت سے ہوتی ہے۔ چونکہ اس کی بنا اللہ کی عظمت اور مخلوق سے شفقت پر ہے اس لیے یہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہوئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پہلے انبیاء کی اتباع کا حکم جہاں بھی دیا ہے اس سے مراد یہی ہیں ے مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:" أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ"[3] اسی قبیل سے ہے۔ صاحب بحر المحیط اس کا معنی کرتے ہیں:" وَالْمَعْنَى فِي الْمُعْتَقَدَاتِ"[4] تو پہلی اتفاقی چیز عقیدہ ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ کیا اہل کتاب ہمارے ساتھ اس میں متفق ہیں۔ انصاف کیساتھ یہودیّت و نصرانیّت کے دین کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ تثلیث، حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت کے عقیدے کے ہوتے ہوئے کیا عقیدہ توحید پر زد نہیں پڑتی؟ اور رسول اللہ ﷺ کی نبوّت اور کتاب کے انکار سے عقیدہ رسالت، کتابوں پر ایمان کا عقیدہ کسی طرح باقی رہ پائے گا۔ حاشا و کلّا! بظاہر یہ پہلو مفقود نظر آتا ہے۔

اصول شرائع: جو تمام انبیاؑ کے مابین مشترک رہے صاحب مراغی فرماتے ہیں: أصول الشرائع واحدة لدی جمیع الرسل[5] اور علّامہ ابو سعود " إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً "[6] کی وضاحت میں فرماتے ہیں " أي ملّةً وشريعةً متّحدةً

۱۔ البیضاوي أبو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد، أنوار التنزیل وأسرار التأویل، : دار إحیاء التراث، طبعۃ اولی، ۱۴۱۸، ج۲ ص ۲۱

۲۔ الحسیني، محمد رشید بن علي رضا بن محمد شمس الدین بن محمد بہاء الدین بن منلا علي، تفسیر القرآن الحکیم، : الہیئۃ المصریۃ العامۃ، ۱۹۹۰، ج۳ ص ۲۶۸

۳۔ القرآن: سورۃ الانعام آیت ۹۰

۴۔ الأندلسي، أبو حیان محمد بن یوسف بن علي بن یوسف بن حیان، البحر المحیط، دار الفکر، طبعۃ ۱۴۲۰، ج4 ص ۲۸۳

۵۔ المراغي، أحمد بن مصطفی، تفسیر المراغي، شرکہ مکتبۃ مصطفی البابی، طبعۃ اولی، ۱۹۴۶، ج۲۵ ص ۱۶۶

۶۔ القرآن: سورۃ آیت ۵۲

متّحدۃً في أصولِ الشرائعِ التي لاتتبدلُ بتبدل الأعصار ۱ اسی اشتراک کی بناپر انبیامیں سے کسی ایک کاانکار سب کے انکار کو مستلزم ہوا۔ علامہ ابو سعودؒ "کَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۲" کی تفسیر میں اس کاذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فإنَّ تکذیبَ أحدھم تکذیب لکل لاتفاقِھم علی أصولِ الشرائعِ "جب کہ شاہ صاحبؒ نے انہیں چاچیزوں میں منحصر کیا ہے:

طہارت: یہ ظاہری اور باطنی دونوں کی طرح کی طہارت کو شامل ہے۔

اخبات: یعنی اللہ کے حضور عاجزی کرناذکر واذکار اس کاحصہ ہیں۔

عدالت: زندگی کے ہر مرحلے میں انصاف کرنااور ظلم سے اجتناب کرنا۔

سماحت: حقیر وخسیس چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا یہ سوء اخلاق حتیٰ کہ کفروشرک تک اس میں داخل ہیں۔ ۳

اس اتحاد کی بنا اگر اخلاقیات پر ہو تو یہ محل نظر ہے۔ اہل مغرب میں وعدے اور اخلاق کی پاسداری کس حد تک پائی جاتی ہے اس کا اندازہ مسلم ممالک کے خلاف سازشوں اور یلغار سے ہوتا ہے جہاں سسکتی انسانیّت دم توڑ رہی ہے ایسے کٹھن حالات میں انسانی حقوق کے علمبر دار اور انسانی حقوق سے وابستہ تنظیموں کی مجرمانہ خاموشی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اور یہی حالت نام نہاد مسلمان فرقوں کی ہے جو اسلام اور مسلمان کی بیخ کنی کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے۔

البتہ شریعت جو شرع سے ماخوذ ہے کا لفظی معنیٰ گھاٹ ہے۔ اور اصطلاح میں اس سے اوامر ونواہی مراد ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور تابعی قتادہ فرماتے ہیں: " الشریعة: الفرائض والحدود والأمر والنهي ۴" اس کی بنا مصالح پر ہوتی ہے ہر دور کے مصالح جدا ہونے کی وجہ سے ان میں تبدیلی کو روار کھا گیا۔ چونکہ اس سے تابعدار اور نافرمان کی چھانٹی ہوتی ہے اس لیے جزاُ وسزا کا مدار بھی اسی پر ہے۔ شریعتوں میں نسخ کا یہ سلسلہ رسول للہ ﷺ کی نبوّت تک جاری رہا آپ کی نبوّت کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ کر دی گئیں۔ آپ کی

۱۔ أبوالسعود محمد بن محمد بن مصطفی، تفسیر أبي السعود، دار إحیاء التراث العربي، ج۶ص ۱۳۸

۲۔ القرآن: سورۃ القمر آیت ۲۳

۳۔ صوفی عبد الحمید، معالم العرفان فی دروس القرآن، مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ، ج۳، ص ۳۶۹

۴۔ القیرواني، أبو محمد مکي بن أبي طالب حمّوش بن محمد بن مختار، الهدایة إلی بلوغ النهایة، طبعۃ اولیٰ، مجموعۃ بحوث الکتاب والسنۃ، ۲۰۰۸، ج۱۰ص ۶۷۸۰

شریعت کو اکملیّت کا جو اعزاز حاصل ہے اس کی وجہ سے پہلی شریعتوں میں سے کسی کی اتباع کا جواز باقی نہ رہا۔ اس لیے صحیح عقیدے کے باوجود شریعت محمدی ﷺ پر عمل نہ کرنے والا فاسق اور انکاری کافر کہلائے گا۔ بعض حضرات نے اسی بات کی وضاحت اس انداز سے کی ہے کہ: شریعت کی دو قسمیں ہیں: ایک عقل و فطرت سے معلوم ہوتی ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور دوسری: ساعت پر محمول ہوتی ہے یعنی شریعت اس میں تبدیلی ہوتی ہے[1] اس مختصر وضاحت سے معلوم ہوا کہ مکالموں میں مشترکات کی تلاش پر مباحثے کرنا یا کرانا واضح ہونے کی وجہ سے بے سود ہیں۔ لیکن " اتفاقیات "کو اپنانا یا ان پر گفتگو کرنا نقصانات سے خالی نہیں۔

- ✓ شریعت جو نبی کریم ﷺ کا امتیازی وصف ہے عضو معطل کی مانند ہو گی۔
- ✓ کسی اور شریعت پر عمل کرنے سے انسانی منافع اور مصالح متاثر ہوں گے جو انتشار کا باعث ہیں
- ✓ اس کا مآل وحدت ادیان ہی ہے جو کسی ذی شعور پر مخفی نہیں۔

مکالموں میں گفتگو کا یہ انداز اس لیے اپنایا جاتا ہے کہ عقائد کی باریکیوں سے نا آشنا نوجوانوں کو تعبیرات کے جھنجھٹ میں مبتلا کر کے راسخ اور مسلمہ اصولوں کو مشکوک کیا جاسکے۔ بد قسمتی سے یہ اثناعشریوں کا اصول ہے جسے شاہ عبد العزیز محدّث دہلویؒ نے " تحفہ اثناعشریہ " میں بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے

- کبھی ان مکالموں کا مقصد مختلف ادیان کے پیروکاروں کے مابین تقارب بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ شدّت پسندی سے پاک ایسا متحمل اور بردبار معاشرہ تشکیل دیا جاسکے جس میں ہر مذہب کے پیروکار کو بے خوف و خطر زندگی گذارنے کا حق حاصل ہو جسے " حق تعایش " بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح سب سے پہلے عرب اسرائیل جنگ میں جب عربوں نے یہودیوں کے نکالنے کے اقدامات شروع کیے تو سنی گئی اگر اس سے " دین بدلنے پر مجبور نہ کرنا" مراد ہو تو یہ مسلّمہ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام آخری اور آفاقی مذہب ہونے کے باوجود کسی کو جبراً مسلمان کرنے کی پالیسی پر قطعاً عمل پیرا نہیں جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: "فَمَنْ شاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شاءَ فَلْيَكْفُرْ"[2] سے ہوتی ہے علامہ نسفی اس کا معنیٰ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "فلم يبق إلا اختياركم لأنفسكم ما شئتم من الأخذ في طريق النجاة أو في طريق الهلاك"[3] لیکن یہ اختیار نہیں وعید

۱۔ آل معمر، عبد العزیز بن حمد بن ناصر بن عثمان، منحۃ القریب المجیب في الرد علی عباد الصلیب، ج۲ ص ۶۹۴

۲۔ القرآن: سورۃ الکہف، آیت ۲۹

۳۔ النسفي، أبو البرکات عبد اللہ بن أحمد بن محمود حافظ الدین، تفسیر النسفي، ناشر دار الکلم الطیب، طبعۃ اولیٰ، ۱۹۹۸، ج ۲ ص ۲۹۸

ہے۔جب کہ سیرت نبوی سے اس امر کی تصدیق حضرت ثمامہ بن اثال کے مشہور واقعے سے ہوتی ہے۔اگر اس سے مراد اقلیّت کو قانونی گرفت سے بچانا،یامروّجہ مذہبی آزادی ہوتو پھراسے مذاہب کے مکالموں کا موضوع بنانا اس لیے درست نہیں کہ یہ سیاست کا موضوع ہے۔رہی بات تقارب کی تو اس کی دو صورتیں ہیں :**"تقارب حقیقی"** اس کا تعلق عقائد سے ہے جسے مفسرین نے " ولاء" سے تعبیر کیاہے اگر یہی تقارب مراد ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ[1] سے **متصادم** ہے۔ **تخصیص** کے باوجود حکم میں **عمومیت** ہے صاحب مراغی اس کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں": المراد بالولاية هنا النصرة بالقول أو بالفعل بما يكون فيه ضرر للمسلمين[2] جب کہ صاحب تنویر فرماتے ہیں: "تَحْذِيرٌ مِنْ مُوَالَاةِ أَهْلِ الْكِتَابِ لِيَظْهَرَ تَمَيُّزُ الْمُسْلِمِينَ". مسلمانوں کی امتیازی حیثیت بحال رکھنے کے لیے اہل کتاب کی دوستیوں سے منع کیاگیاہے۔غرض یہ کہ آیت مذکورہ میں غیر مسلموں سے مسلمانوں جیسابرتاؤکرنا یا مسلمان کی دینی یا دنیوی مصلحت پر کافر کی مصلحت کو ترجیح دینا حقیقی تقارب ہو گا۔ مسلمان کی رسوائی اور کافر کی معاونت کی وجہ سے یہ ممنوع ہے۔جیسا کہ صاحب منار فرماتے ہیں:" لِأَنَّ فِي هَذَا اخْتِيَارًا لَهُمْ وَتَفْضِيلًا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، بَلْ فِيهِ إِعَانَةٌ لِلْكُفْرِ عَلَى الْإِيمَانِ وَلَوْ بِطَرِيقِ اللُّزُومِ،[3] مصلحت کا عنصر غالب ہونے کی وجہ سے مروّجہ مکالموں میں اس پہلو سے اعراض کیاجاتاہے۔چونکہ اس سے اسلام کے "ولاءوبراء" کے اصول پر زد پڑتی ہے جو ایمان کی شرط ہے اس لیے جائز نہیں[4]۔

اور اگر **تقارب بمعنی "رواداری"** ہو تو چونکہ وہ اسلام میں ممنوع نہیں اس وجہ سے گفت وشنید کی محتاج ہی نہیں جس کا ذکر سورۃ ممتحنہ کی آیت" لَا يَنْهاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقاتِلُوكُمْ فى الدين"[5] میں کیا گیاہے۔ امام رازیؒ اس کا معنیٰ کرتے ہیں"لَا يَنْهَاكُمْ عَنْ مَبَرَّةِ هَؤُلَاءِ، وَإِنَّمَا يَنْهَاكُمْ عَنْ تَوَلِّي هَؤُلَاءِ، وَهَذَا رَحْمَةٌ لَهُمْ لِشِدَّتِهِمْ فِي الْعَدَاوَةِ،[6] جب کہ تفسیر قاسمی میں اس کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے" لَا يَنْهَاكُمْ من

۱۔ القرآن:سورۃ المائدہ، آیت ۵۱

۲۔ المراغي، أحمد بن مصطفى، تفسير المراغي، ناشر شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، طبعۃ اولی،۱۹۴۶،ج 5 ص ۱۸۹

۳۔ الحسيني، محمد رشيد بن علي رضا بن محمد شمس الدين بن محمد بهاء الدين، تفسير المنار، الهيئة المصرية العامه،۱۹۹۰،ج ۳ ص ۲۲۹

۴۔ کاندھلوی، محمد ادریس، عقائد اسلام، ادارہ اسلامیات کراچی، طبعہ اولیٰ، ۲۰۱۰، ص ۱۷۷

۵۔ القرآن:سورۃ الممتحنۃ، آیت

۶۔ الرازي، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین، مفاتیح الغیب، دار إحیاء التراث العربي، طبعۃ ثالثۃ ۱۴۲۰،ج ۲۹ ص ۵۲۱

جميع أصناف الملل والأديان، أن تبروهم وتصلوهم وتقسطوا إليهم"[۱] عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں حضرت اسماؓ کے لیے ان کی والدہ قتیلہ بنت عبد العزیٰ جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مطلقہ اور مشرکہ تھیں تحائف لیکر مدینہ منورہ آئیں حضرت اسماؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنی والدہ کو پیغام بھجوایا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیتے نہ میرے گھر میں داخل ہو نا نہ تحائف لانا آپؐ کو اس کا علم ہو تو آپ نے اس کی اجازت دی انہوں نے نہ صرف تحائف وصول کیے بلکہ اپنی والدہ کی عزت و تکریم بھی کی[۲] بعض مفسرین نے آیت کا شان نزول اسی واقعے کو قرار دیا ہے۔ لیکن اس معنیٰ کو بنیاد بنا کر ان کے طریقوں کو اپنانا جائز نہیں۔ چنانچہ ابو حیان ان دونوں قسموں کا حکم ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں " وَمَنْ تَوَلَّاهُمْ بِأَفْعَالِهِ دُونَ مُعْتَقَدِهِ وَلَا إِخْلَالٍ بِإِيمَانٍ فَهُوَ مِنْهُمْ فِي الْمَقْتِ وَالْمَذَمَّةِ، وَمَنْ تَوَلَّاهُمْ فِي الْمُعْتَقَدِ فَهُوَ مِنْهُمْ فِي الْكُفْرِ[۳] تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ رواداری کے نام سے قربتوں کے تسلسل کا خمیازہ اس سے پہلے دین اکبری کی صورت میں بھگتا جا چکا ہے جسے ختم کرنے کے لیے امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ کو اپنی توانائیاں صرف کرنا پڑیں جو شائد ہی تاریخ کے طالب علم سے مخفی ہو۔ اس وقت دنیا میں مسلمان مفکّرین امّت کو وحدت کی لڑی میں پرونے کے لیے جس متفقہ لائحہ عمل کی تلاش میں ہیں علامہ قرطبیؒ نے اسے صدیوں قبل بیان کر دیا ہے کہ چنانچہ سورۃ شوریٰ[۴] میں اللہ تعالیٰ نے جو تفرقہ بازی سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اس کے ذیل میں فرماتے ہیں" وَمِنْ تَرْكِ التَّفَرُّقِ فِي الدِّينِ تَرْكُ مُوَالَاةِ الْكُفَّارِ"[۵]

- کبھی اس کا مقصد **"ادیان اور ان کے پیروکاروں کے وجود کو تسلیم کرنا"** بیان کیا جاتا ہے۔ اب اگر وجود سے مراد ادیان اور ان کے پیروں کاروں کے وجود ہو۔ تو اس کا انکاری شائد ہی کوئی ہو۔ کیوں کہ قرآن کریم کا ایک طویل حصہ یہود و نصاریٰ کے عقائد، سازشوں اور قباحتوں، کے بیان اور اس کے رد پر مشتمل ہے جو ان کے وجود کو تسلیم کرنے کا بیّن ثبوت ہے۔ جسے شاہ ولی اللہؒ نے اصول تفسیر میں "علم المخاصمہ" کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں کبھی ان سے مکالمہ ہوا بھی تو وہ حق کو واضح کرنے کے لیے تھا نہ کہ مشترکات کی تلاش کے

۱۔ القاسمي، محمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم، محاسن التأويل، دار الكتب العلمیہ، طبعۃ اولی ۱۴۱۸، ج۹ ص ۲۰۷

۲۔ البغوي، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء، معالم التنزيل، ادار إحياء التراث العربي، طبعہ اولی، ۱۴۲۰، ج۵ ص ۷۱

۳الأندلسي، أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان، البحر المحيط، دار الفكر طبعہ ۱۴۲۰، ج۴ ص ۲۹۲

۴۔ القرآن: سورۃ شوریٰ، آیت ۱۳

۵۔ القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح، الجامع لأحكام القرآن، دار الكتب المصرية، طبعۃ: ثانیۃ، ۱۹۶۴، ج ۱۴ ص ۱۲۷

لیے۔اور اگر وجود سے مراد **حقوق** ہوں تو اسلامی قانون میں جس بسط و تفصیل کے ساتھ اس کا بیان ہوا ہے شاید ہی کسی قانون میں کیا گیا ہو۔ جن کو اپنی روح کے مطابق نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ جنہیں اسلامی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے معطل کیا جا چکا ہے۔

- کبھی کہا جاتا ہے کہ **"منزل ایک ہو تو اختلاف کیسا"** یا اس کی تعبیریوں کی جاتی ہے کہ **"یہ منزل تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں"** پہلی تعبیر اس حد تک تو درست ہے کہ مذاہب کی بنیاد اللہ کی وحدانیت اور اطاعت پر ہے جو انسان کی اصل منزل اور انبیاء کی دعوت ما حصل ہے۔اور اسلام میں ''لا نفرق بين أحد منهم ''[1] کی تعلیم اسی بنیاد پر ہے۔ لیکن پہلی تعبیر کے دوسرے جز اور دوسری تعبیر سے مکمل طور پر شریعتوں کے تنوّع کا انکار چھلک رہا ہے جو انسانی مصلحت، خدائی منشاء اور عقیدہ تحریف کے خلاف ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں :'' يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ''[2] کی صورت میں کیا گیا ہے۔ جسے اکبر کے زمانے میں "صلح کل" کا نام دیا گیا تھا اور پھر اسی اصول کے تحت تہذیبوں میں اختلاط کو اس قدر بڑھا دیا گیا تھا کہ مسلمان اور کافر کی تمیز ہی ختم ہو گئی تھی شیعہ سنّی ایک ساتھ اور فرنگی اور یہودی ایک کلیسا میں عبادت بجالاتے مذہبی تہواروں میں شریک ہوتے [3] چونکہ اہل مغرب اس کے ثمرات سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے انہوں نے اسی سے ملتی جلتی ایک تحریک شروع کی جسے '' وحدت ادیان '' کا نام دیا گیا۔ جس کے خلاف اس وقت کے علماء نے تحریر اور تقریر کے ذریعے بھرپور مزاحمت کی۔ جس کو تسلیم کرنے سے اسلام کی وہ برتری جسے حدیث میں :'' الإِسْلاَمُ يَعْلُو وَلاَ يُعْلَى ''[4] سے بیان کیا گیا ہے جو بخاری سمیت حدیث کی دیگر کتابوں میں پائی جاتی ہے متاثر ہو گی۔اور امام بخاری نے تو اس کے لیے مستقل باب ذکر کیا ہے علامہ عینیؒ باب اور حدیث میں مناسبت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں '' الْبَاب فِي نفس الْأَمر ينبىء عَن علو الْإِسْلَام '' اسی طرح اس سے 'نسخ' کا تصوّر بھی شدید متاثر ہوتا نظر آ رہا ہے۔اس کے علاوہ جنّت جہنم، حساب و کتاب، کفر اور اسلام، کی وہ تمام مباحث جو اسلامی عقائد سے وابستہ ہیں بے سود ہو جائیں گی۔ غرض یہ پہلو خود تفصیل طلب ہے۔

۱۔ القرآن: سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۶

۲۔ القرآن: سورۃ المائدۃ، آیت ۴۱

۳۔ سید محمد میاں، علماہند کا شاندار ماضی، مکتبہ رشیدیہ کراچی، ج ۱ ص ۶۹

۴۔ البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، ناشر: دار طوق النجاة، طبعة: أولى، ۱۴۲۲، ج ۲ ص ۹۳

غیر مسلموں کی مذہبی رسومات میں شرکت کا حکم:

عبادت اور مذہبی تہوار کسی بھی مذہب کے شعائر ہوتے ہیں جو اس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے ہر مذہب کے پیروکار اس کو بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ لیکن گزشتہ کچھ عرصہ سے مختلف مذاہب سے یکجہتی کے لیے ایک دوسرے کی مذہبی رسومات، اور تہواروں میں شرکت کی روایت چل پڑی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اسلامی تناظر میں اس کا جائزہ لینے کے بعد قرآن وسنّت کے نصوص سے اس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کافروں سے تعلقات بنانے، بڑھانے، یا انہیں خوشگوار بنانے کی غرض سے ان کی حوصلہ افزئی، ان کی دعوتیں قبول کرنے اور، یا ان کی نجی اور مذہبی مجلسوں میں جانے سے اجتناب کرنا چاہئیے جسکی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد " فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ "[1] آیت میں مذکور " ظَهِيرًا '' بمعنٰی معاون و مددگار ہے علامہ ابو سعودؒ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں: ''بمداراتهم والتحملِ عنهم والإجابةِ إلى طلبتِهم ''[2] جب کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ مؤمن کی علامات میں فرماتے ہیں: کہ وہ جھوٹ کی جگہوں پر نہیں جاتے[3] ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد مشرکین کے خوشی کے تہوار ہیں[4] اور امام رازیؒ آیت کے عموم کا فائدہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں: " وَيَحْتَمِلُ حُضُورَ كُلِّ مَوْضِعٍ يَجْرِي فِيهِ مَا لَا يَنْبَغِي وَيَدْخُلُ فِيهِ أَعْيَادُ الْمُشْرِكِينَ وَمَجَامِعُ الْفُسَّاقِ، لِأَنَّ مَنْ خَالَطَ أَهْلَ الشَّرِّ وَنَظَرَ إِلَى أَفْعَالِهِمْ وَحَضَرَ مَجَامِعَهُمْ فَقَدْ شَارَكَهُمْ فِي تِلْكَ الْمَعْصِيَةِ، لِأَنَّ الْحُضُورَ وَالنَّظَرَ دَلِيلُ الرِّضَا بِهِ، بَلْ هُوَ سَبَبٌ لِوُجُودِهِ وَالزِّيَادَةِ فِيهِ، لِأَنَّ الَّذِي حَمَلَهُمْ عَلَى فِعْلِهِ اسْتِحْسَانُ النَّظَّارَةِ وَرَغْبَتُهُمْ فِي النَّظَرِ إِلَيْهِ،[5] علامہ بدرالدین البعلیؒ "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ''سے دلیل لیتے ہوئے فرماتے ہیں'' فلا فرق بين مشاركتهم في العيد وبينها في سائر المناسك، فإن الموافقة في جميع العيد موافقة في الكفر، والموافقة في بعض فروعه موافقة في بعض شعب الكفر، بل الأعياد من أخص ما تتميز به الشرائع ومن أظهر ما لها من

۱۔ القرآن: سورۃ القصص، آیت ۸۶

۲۔ أبو سعود، محمد بن محمد بن مصطفى، أبي سعود، دار إحياء التراث العربي، ج7 ص ۲۸

۳۔ القرآن: سورۃ الشعرآئ، آیت ۷۲

۴۔ الجامع لأحكام القرآن، دار الكتب المصرية، طبعة: ثانية، ۱۹۶۴، ج ۱۳ ص ۷۹

۵۔ الرازي، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين، مفاتيح الغيب، دار إحياء التراث العربي، طبعة ثالثة – ۱۴۲۰، ج ۲۴ ص ۴۸۵

الشعائر''.[1] اسی وجہ سے علماء نے غیر مسلوں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے اس کی تصریح میں فرماتے ہیں'' تهنئة الكفار من النصارى وغيرهم بأعيادهم الكفرية أو بمناصبهم الطاغوتية بزعم سماحة الإسلام أو مصلحة الدعوة؛ فإن هذا عند كل أهل العلم من موالاتهم وهي محرمة بالكتاب والسنة والإجماع[2] اسی کو فتاویٰ محمودیہ میں علاّمہ گنگوہیؒ نے اور آپ کے مسائل اور ان کا حل میں یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اختیار کیا ہے۔

نتائج بحث:

بلاشبہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے جسکی جامع تعلیمات معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاقیات، سمیت ہر شعبے کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ انسان ہوں کہ حیوان ہر ایک کے حقوق کی رعایت رکھی گئی ہے۔ عالمگیر ہونے کے باوجود اہل اسلام اپنے نظریے کو کسی پر زبردستی ٹھونسنے کی پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہوئے جو اسلامی تعلیمات کا حسن ہے۔ لیکن دین کے معاملے میں معذراتانہ پالیسی پر عمل پیرا ہونا قرین مصلحت نہیں بلکہ مداہنت ہے اس لیے اسلام میں اصولی اختلاف کی رعایت رکھی گئی ہے اور فروعی اختلاف کو نظر انداز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے اسلام پوری دنیا میں پھیل رہا ہے جو یہود و نصاریٰ کے لیے تشویش کا باعث ہے جسے روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے اور سازشیں کی جارہی ہیں تا کہ مسلمانوں کو کسی طرح الحاد کی پگڈنڈیوں پر گامزن کیا جاسکے۔ اس لیے وہ اسلام کے مسلّمہ اصولوں کو مشکوک ٹہرانے، منفی پراپیگنڈہ پھیلانے میں مصروف ہیں۔ لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہ خدمت اسلام کے نام لیواؤں یا نام نہاد اسلامی فرقوں سے لی جاری رہے۔ جس کے اثرات ملک کے طول و عرض میں نمایاں ہیں۔ حقیقیت تک رسائی کے لیے مکالموں کا انعقاد صرف جائز ہی نہیں قابل تحسین بھی ہے لیکن ان مکالموں میں اس پہلو کو شعوری یا غیر شعوری طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے اور ادیان کی مشترکات پر گفتگو کو ترجیح دی جاتی ہے جو شریعت میں واضح ہیں ضرورت ان پر ان کی روح کے مطابق عمل درآمد کی ہے۔ جہاں تک بات عبادات، تہواروں میں شمولیت کی ہے تو اس کی اجازت اسلامی شریعت میں میں نہیں ہے چاہے یہ شمولیت جذبہ خیر سگالی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

۱۔ البعليّ، محمد بن علي بن أحمد بن عمر بن يعلى، المنهج القويم في اختصار، دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع، طبعه: أولى، ۱۴۲۲، ص ۹۶

۲۔ شحاتة محمد صقر، الرد على اللمع، دار الخلفاء الراشدين الإسكندريه، ص ۶۲